© rasailojaraid.com

اردو تاریخ نویسی کا ایک جائزہ

(عہد سرسید تک)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

اردو زبان کی ابتداء سے لے کر اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصفِ اول تک کی اردو کتابوں کے سرمایہ پر نظر ڈالنے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ان کا دائرہ مذہبی لسانی اور ادبی موضوعات پر محیط ہے تاریخ نویسی کے عناصر اور رجحان کے لیے اس میں کوئی جگہ نہیں لیکن اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصفِ آخر میں اس رجحان میں تبدیلی کے اولین نقوش ملنے لگتے ہیں اور تاریخ کے موضوع پر چند کتابیں سامنے آجاتی ہیں ان میں رستم علی بجنوری کی قصہ واحوالِ روہیلہ، منعم خاں اورنگ آبادی کی تاریخ سوانح دکن اور تاریخ ہندوستان وغیرہ کا خاص طور سے ذکر کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اسی زمانہ میں فارسی تاریخ کی بعض کتابوں کے اردو ترجمے بھی سامنے آگئے مثلاً تاریخ فیروز شاہی کو وارث علی بن شیخ بہادر نے اور تاریخِ حیدری کو منشی محمد قاسم نے تاریخ سرنگاپٹم کے نام سے اردو کا جامہ پہنایا۔

یہ دور اس لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اسی دور میں ہندوستان میں انگریزی تاریخ نویسی کی بھی ابتداء ہوئی جس کے ذریعہ دوسرے موضوعات کی طرح تاریخ نویسی بھی جدید نظریات وخیالات سے متاثر ہوئی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو تاریخ نویسی کی ابتداء ہندوستان میں فارسی تاریخ نویسی کے زوال کا آغاز بھی ہے اس لیے یہ حیرت کی بات نہیں کہ اردو میں ابتداءً جو تاریخیں لکھی گئیں ان پر عربی وفارسی کی بہ نسبت انگریزی کے اثرات زیادہ ثبت ہوئے۔

یہاں اردو کی چند ابتدائی تاریخی کتابوں کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکے نیز اردو تاریخ نویسی نے عہد بہ عہد جو ترقی کی اور اس میں جو نمایاں رجحانات آئے اور وہ جن مراحل سے گذری اس کا ایک نقشہ سامنے آجائے۔

تاریخ کی پہلی کتاب: قصہ و احوالِ روہیلہ[1]

اردو زبان میں تاریخ کی پہلی کتاب قصہ و احوالِ روہیلہ رستم علی بجنوری نے لکھی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا خیال ہے کہ یہ ۱۷۷۴ - ۱۷۸۱ء کے درمیان میں لکھی گئی۔ اس میں ۱۷۳۰ء سے لے کر ۱۷۷۵ء یعنی شجاع الدولہ تک کے حالات و واقعات بیان ہوئے ہیں۔

قصہ و احوالِ روہیلہ دراصل علی محمد خاں، جو نوابانِ رام پور کے جدِّ اعلیٰ ہیں، کے احوال پر مبنی ہے اور ان ہی کے حوالہ سے رستم علی بجنوری نے اس دور کے ہندوستان کی تاریخ لکھی ہے چنانچہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے لکھا ہے کہ "اس کتاب میں ہندوستان کی تقریباً پچاس سالہ تاریخ روہیلوں اور پٹھانوں کے حوالہ سے بیان ہوئی ہے"[2]۔

قصہ و احوالِ روہیلہ اگرچہ تاریخ کے موضوع پر اردو میں پہلی کتاب ہے تاہم اس میں تاریخ نویسی کے اہم عناصر ترکیبی واضح طور موجود ہیں مثلاً اس میں ربط و تسلسل کی خوبی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ڈاکٹر جاوید علی خاں نے اس کے اس وصف کا ذکر کیا ہے[3]۔

صحتِ واقعات پر بھی رستم علی بجنوری نے خاص توجہ کی ہے اور کوشش کی ہے کہ وہی واقعات بیان کیے جائیں جو ان کے علم میں عینی یا سمعی ذرائع

---

[1] پروفیسر اقتدار حسین صدیقی نے تاریخی نقطۂ نظر سے اس کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ ملاحظہ ہو سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ۔ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء میں ان کا مضمون بعنوان "اردو زبان میں تاریخ نگاری کی ابتداء"

[2] ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو جلد دوم حصہ دوم ص ۱۰۷۶۔

[3] Dr. Javed Ali Khan "Beginnings of historical writtings" in Urdu Journal of the Pakistan historical society vol XLII January 1994 P 23.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے حاصل ہوئے[۱]

مورخ کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ واقعات میں رنگین بیانی اور انشاء پردازی سے کام نہ لے چنانچہ قصہ و احوال روہیلہ کے اسلوبِ نگارش میں یہ خوبی حیرت انگیز طور پر موجود ہے حیرت انگیز اس لیے کہ اس وقت تک اردو نثر نگاری کا تصور انشاء پردازی اور رنگین بیانی کے بغیر دشوار تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی رقمطراز ہیں۔

"رستم علی کی نثر بیانیہ ہے اس میں رنگینی و عبارت آرائی نہیں ہے بلکہ وہی زبان اور وہی انداز اختیار کیا گیا ہے جو عام طور سے بول چال کی زبان میں استعمال ہوتا ہے یہاں نثر انشاء پردازی کے لیے نہیں بلکہ اپنا مقصد بیان کرنے کے لیے استعمال کی گئی ہے اس لیے اس میں سلاست و روانی بھی ہے اور اپنی بات کہنے کی قوت بھی۔ اس دور میں جب اردو نثر میں تاریخی کتابیں لکھنے کی کوئی روایت نہیں تھی رستم علی کی یہ تصنیف اردو نثر کی ایک نئی روایت کو جنم دیتی ہے"[۲]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"قصہ و احوال روہیلہ کی نثر طبع زاد ہے جس میں اظہار بیان کا تنوع بھی ہے۔ موقع و محل کے مطابق جیسے تاریخی منظر بدلتا جاتا ہے اس کا اسلوب بھی اسی کے مطابق اپنا لہجہ اور رخ بدلتا جاتا ہے۔ اس میں جنگی تناظر بھی ہیں اور سازشوں کا احوال بھی درج ہے فوجی حکمتِ عمل بھی بیان کی گئی ہے اور مختلف مراسلے اور نامہ و پیغام بھی لکھے گئے ہیں تاریخ نویسی اور نثر نگاری دونوں لحاظ سے یہ اس دور کی ایک اہم تصنیف ہے"[۳]

تاریخِ ہندوستان

تاریخ کی یہ کتاب ۸۱ - ۱۷۸۰ء میں لکھی گئی اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ اس میں تیمور سے لے کر سلطان ٹیپو شہید تک کے ہندوستان کے

۱؎ قصہ و احوال روہیلہ ص ۳

۲؎ تاریخ ادب اردو جلد دوم حصہ دوم ص ۱۰۷۷ ۳؎ ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغل حکمرانوں کا تذکرہ ہے دہلی کی طوائف الملوکی، نادر شاہ، احمد شاہ، سورج مل کی تباہیوں اور سکھوں، جاٹوں اور کھتاری قوم کے ساتھ برطانوی حکومت کے تعلقات اور نواب نجف خاں اور سکھوں کے تنازعات وغیرہ کی بھی بھرپور تفصیلات آگئی ہیں۔

مختلف حکمرانوں کے ساتھ ان کے امرا و رؤسا کا حال بھی اس میں بیان کیا گیا ہے۔ نوابوں کا ذکر تفصیل سے ہے اس میں میر جملہ، فخر الدولہ، سراج الدولہ، ناصر جنگ اور مظفر جنگ وغیرہ نیز حیدر علی اور سلطان ٹیپو شہید کے احوال اور ان کی معرکہ آرائیوں کی روداد خاص طور پر قابلِ ذکر ہے غرض اس میں ۱۷۸۰ء تک کے ہندوستان کی تاریخ کے اہم واقعات آگئے ہیں۔

کتاب کا اسلوبِ نگارش عام فہم اور آسان ہے اور تاریخی نثر کا احساس ہوتا ہے۔ حکمرانوں کے سیاسی واقعات، ان کے معاشرتی اور بعض تمدنی واقعات کا ذکر بھی اس میں آگیا ہے۔ عقائد کی بعض بحثیں اس میں شامل ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا تعلق اہلِ تشیع سے تھا۔

اس کتاب کا بنیادی ماخذ فرزند علی حسینی کی کوئی فارسی تصنیف ہے جس کی مصنف نے نشاندہی نہیں کی ہے۔ اس لیے ہم واضح طور پر اسے ترجمہ قرار نہیں دے سکتے۔ اس کا مخطوطہ ادارہ ادبیاتِ اردو حیدرآباد میں موجود ہے اور ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ نے تذکرۂ مخطوطات میں اس کا ذکر کیا ہے۔[1]

تاریخ سوانح دکن

یہ کتاب ۱۷۸۲ء میں منعم خاں اورنگ آبادی نے لکھی جو ایک بڑے مورخ تھے۔ انھوں نے مذکورہ نام سے فارسی میں بھی ایک کتاب لکھی تھی، اردو میں اصلاً اسی کتاب کا اختصار پیش کیا گیا ہے اور جا بجا اپنی اصل تصنیف کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اس میں حکومتِ آصفیہ کی مفصّل تاریخ لکھی گئی ہے جس سے اس

---

[1] تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اول صنہ ۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے چھ صوبوں کے مجموعی حالات آ گئے ہیں مصنف نے ان صوبوں اور ان کی قدیم وجدید تاریخ تسلسل سے لکھی ہے اور ان علاقوں کا مکمل جغرافیہ بھی بیان کر دیا ہے چنانچہ یہاں کی جھیلوں، ندیوں، پہاڑوں، چشموں، قیمتی پتھروں، جواہرات، کپڑے، غلّہ اور پھول وپھل کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ منعم خان نے دہلی کے بارے میں لکھا ہے کہ مورخوں نے اس کی بجا تعریف کی ہے مگر دکن اس سے کسی طرح کم نہیں بلکہ نادر شاہ کے حملے کے بعد دہلی کی رونق ختم ہو کر دکن میں منتقل ہو گئی تھی۔

مصنف نے خاندان آصفیہ کے حکمرانوں اور ان کی شان وشوکت کا تذکرہ دلچسپ انداز میں کیا ہے خاص طور سے نواب نظام علی خاں کی بڑی تعریف کی ہے۔[۱] یہ کتاب تاریخ کی جزئیات نگاری اور جغرافیائی احوال جیسے علمی مباحث سے یقیناً ایک منفرد کارنامہ ہے اور تاریخ نویسی کا معیاری نمونہ قرار دئے جانے کے بھی لائق ہے۔

مذکورہ بالا کتابیں اٹھارہویں صدی میں تاریخ نویسی کا کل موجود ودستیاب سرمایہ ہیں ان کے علاوہ ہمیں کسی اور تاریخی تصنیف کا اس صدی میں سراغ نہیں ملتا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ کتابیں اگرچہ اردو تاریخ نگاری کا ابتدائی نمونہ ہیں تاہم ان میں تاریخ نویسی کے اہم عناصر مثلاً واقعات کی صحت واستناد اور ربط وتسلسل نیز تاریخی اسلوب وغیرہ اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔ ان میں کہیں کہیں حوالوں کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، واقعات میں تسلسل بھی پایا جاتا ہے زبان وبیان بھی مروّجہ نثر نگاری سے جدا ہے، تاریخ کے ساتھ جغرافیائی حالات بھی ملتے ہیں۔ غرض یہ کہ ان میں تاریخ نگاری کے اصولوں کا بڑی حد تک پاس ولحاظ کیا گیا ہے۔ راقم کے خیال میں ان تاریخوں سے اس سے زیادہ کی توقع کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔

انیسویں صدی کو اردو تاریخ نویسی کا عہد زرّیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس

---

[۱] پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل شمارہ ۲۱ ص ۳۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدی میں باقاعدہ اس کی طرف توجہ دی گئی۔ سیکڑوں تاریخی کتابیں لکھی اور ترجمہ کی گئیں، مورخوں کی انفرادی کوششوں کے علاوہ اجتماعی طور پر فورٹ ولیم کالج کلکتہ اور مرحوم دہلی کالج نے درجنوں کتابیں ترجمہ کرائیں۔ اس کے بعد سرسید احمد خاں کا دور آتا ہے جنھوں نے نہ صرف تاریخ نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا بلکہ اسے جدید فکر و نظر اور اسلوب و آہنگ سے روشناس کرایا۔ سائنٹفک سوسائٹی کے ذریعہ اس کا ذوق عام کرنے کی بھرپور کوشش کی اور ان کی نگرانی و سرپرستی میں اردو تاریخ نویسی کا سب سے تابناک ستارہ علامہ شبلی کی شکل میں آسمانِ علم پر روشن ہوا جس نے تاریخ نویسی کے بلند ترین اور جدید ترین نمونوں کے علاوہ ایک نیا فلسفۂ تاریخ بھی پیش کیا۔

یہاں عہدِ سرسید تک کی تاریخ نگاری کا ایک مختصر سا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

فورٹ ولیم کالج کی تاریخی خدمات

ہندوستان کے برطانوی حکمرانوں نے ۱۰ر جولائی ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ بعد میں یہ تاریخ مؤخر کرکے ۴ر مئی ۱۸۰۰ء اس لیے کردی گئی کہ یہ سلطان ٹیپو شہید پر انگریزوں کی فتح کی پہلی سالگرہ کی تاریخ ہے۔

فورٹ ولیم کالج کے قیام کا مقصد ہندوستان میں نووارد انگریزوں کو اردو زبان کی تعلیم دینا تھا، چنانچہ ان نو واردوں کے لیے عام فہم اور آسان زبان میں اردو کی کتابوں کی ضرورت پڑی تو کالج کے اربابِ حلّ و عقد نے ملک کے متعدد اہلِ علم کو جمع کرکے کالج میں شعبۂ تصنیف و تالیف قائم کیا۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم کی تحقیق کے مطابق فورٹ ولیم کالج میں چھوٹی بڑی تقریباً ۱۲۲ کتابیں لکھی اور ترجمہ کی گئیں، انیسویں صدی کی ابتدا میں یہ اردو کی سب سے بڑی خدمت تھی جو انگریزوں کے ذریعہ انجام پائی۔

ان کتابوں کے موضوعات مختلف ہیں ان میں مذہبی کتابیں بھی ہیں اور قصہ و داستان کی بھی، تذکرے بھی ہیں اور تاریخ بھی، تاریخی کتابوں کی اہمیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے زیادہ ہے کہ اس سے پہلے تاریخ کے موضوع پر چند کتابیں ہی اردو کے دامن میں تھیں جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے یہاں فورٹ ولیم کالج کی تاریخی کتابوں کا ایک تعارف و تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

تصنیفات وتالیفات

۱۔ حسنِ اختلاط

یہ کتاب میر ابوالقاسم خاں نے ۱۸۰۳ء میں لکھی، اس میں ابتداءً کرسپ اور گل کرسٹ کی تعریف ہے، اس کے بعد راجہ بکرماجیت اور تورانیوں کے ہندوستان پر غلبے کے حالات مختصراً بیان کئے گئے ہیں پھر محمد شاہ اور نادر شاہ کے حملوں کا ذکر ہے ضمناً بنگال اور عظیم آباد کے حالات و واقعات بھی قلم بند کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد انگریزوں کے عہد کی تاریخ ہے مصنف نے انگریزوں کی مدح و ستائش میں بڑی مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔

حسن اختلاط شائع ہو چکی ہے مگر اب اس کے نسخے دستیاب نہیں ہیں۔ البتہ قلمی نسخے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، اسٹیٹ سینٹرل لائبریری حیدر آباد اور سالار جنگ میں محفوظ ہیں[1]

۱۴۰ اوراق پر مشتمل تاریخ کی اس مختصر کتاب کا اسلوب نگارش مورخانہ ہے۔ رنگین بیانی اور ادبیت سے دانستہ گریز کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو ہم اردو کی اہم ابتدائی تاریخی کتابوں میں شامل کر سکتے ہیں۔

۲۔ انتخابِ سلطانیہ

تاریخ کی یہ کتاب مسٹر مارونٹ رکٹس کی فرمائش پر خلیل علی خاں اشک نے ۱۸۰۵ء میں لکھی، ”انتخابِ سلطانیہ“ کے نام سے اس کی تاریخ تصنیف بھی نکلتی ہے[2]

---

[1] ڈاکٹر عبیدہ بیگم۔ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص ۵۶۰

[2] قلمی نسخہ انتخاب سلطانیہ ورق ۱۸ بحوالہ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص ۵۱۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ معلوم کن اسباب سے یہ کتاب اب تک شائع نہیں ہوسکی، ۱۵۳ اوراق پر مشتمل اس کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ میں موجود ہے جس کے آخر میں کالج کی مہر بھی ثبت ہے[1]

اس میں دلی کی ابتدائی تاریخ سے شاہ عالم تک کے سلاطین کی تاریخ ہے۔ دلی کی ابتدائی تاریخ بیان کرنے کے بعد سلطان معزالدین شاہ کا ذکر ہے۔ اس کی ہندوستان میں آمد، فتح، نظامِ حکومت اور قطب الدین ایبک کی جانشینی کا احوال ہے۔ اس کے بعد مملوک، خلجی، تغلق، لودی، پٹھان اور مغل بادشاہوں کے حالات اور ان کے عہد کی اجمالی مگر جامع تاریخ ہے، یہ پوری کتاب تاریخی ترتیب پر لکھی گئی ہے۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم لکھتی ہیں:

"انتخاب سلطانیہ ہندوستان کے بادشاہوں کی مختصر مگر جامع تاریخ ہے۔ اشک نے ہر بادشاہ کے ذیل میں اجمال سے اہم واقعات کو درج کیا ہے، اس کے علاوہ دیگر چھوٹے چھوٹے واقعات، بادشاہوں کے عادات و اطوار، سیاسی حکمت عملی، دانشمندی اور تدبر وغیرہ کی جانب بھی اشارہ کیا ہے"[2]

دوسرے حکمرانوں کے مقابلہ میں مغل حکمرانوں کی تاریخ قدرے تفصیل سے لکھی گئی ہے اور ان کے ذکر میں اشک کا لب و لہجہ بھی زیادہ پر اعتماد محسوس ہوتا ہے۔ اکبر کا ذکر کرتے ہوئے خلیل علی خاں اشک لکھتے ہیں:

"جس سال کہ یہ فرخندہ افعال تخت سلطان پر بیٹھا اسی سال میں دلی اور آگرے سے خبر پہونچی کہ ہیموں لشکر گراں اور فوج بے حد اپنے ساتھ لیے ہوئے دلی میں داخل ہوا چنانچہ سن ہجری نو سو چونسٹھ میں عاشورے کے دن نزدیک پانی پت کے جہاں موکب عالی تھا آیا اور حضرت جہاں پناہ سے لڑا لیکن شکستِ فاش کھائی"[3]

---

[1] ایضاً

[2] فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص ۵۱۷

[3] انتخاب سلطانیہ ورق ۱۰۴ بحوالہ سابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتخاب سلطانیہ کی سب سے بڑی خوبی اس کا اسلوب نگارش ہے اور یہ مکمل طور پر تاریخی اسلوب ہے۔ اس میں کہیں انشاء پردازی اور رنگین بیانی سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ عام اسلوب کی طرح سادہ اور عام فہم ہے، دلّی کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"ابتدائے مطلب اب احوال کو تاریخ کے لکھتا ہوں اکبر نامے میں مرقوم ہے کہ دلّی قدیم سے بڑی بستی ہے ابتدا میں نام اس کا اندرپت تھا بکرماجیت کے سن چار سو انتیس میں انیک پال راجہ نے کہ قوم تونور سے تھا اپنی حکومت میں اس کو آباد کیا اور دلّی نام رکھا[1]

انتخاب سلطانیہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ خلیل علی خاں اشک نے حالات و واقعات مستند اور مشہور تاریخوں کے حوالوں سے نقل کیے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تاریخ پر ان کی نظر گہری تھی، انیسویں صدی کی ابتدائی تصنیف ہونے کے باوجود اس میں تاریخ نویسی کے دو بنیادی اصولوں کا واضح طور پر استعمال ہوا ہے یعنی کتاب میں تحقیق اور صحت و صداقت واقعہ پر توجہ دی گئی ہے اور دوسرے اسلوب نگارش بھی تاریخ نگاری کا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ غلام اکبر کی تواریخ بنگالہ، غلام شاہ بھیک کی تواریخ سلاطین، محمد عمر کی تواریخ عالمگیری اور تصدق حسین کی تواریخ تیموری وغیرہ بھی فورٹ ولیم کالج کی تاریخی مساعی میں شامل ہیں مگر ہماری رسائی ان تک نہیں ہو سکی اس لیے ہم نے صرف ان کے ناموں پر اکتفا کیا ہے۔

تراجم

۱۔ آرائش محفل

میر شیر علی افسوس نے مسٹر ہارنگٹن کی فرمائش پر منشی سجان رائے بٹالوی کی فارسی

---

[1] فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص ۲۹۱ ۵۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصنیف خلاصۃ التواریخ کے ایک حصے کا ۱۸۰۵ء میں اردو ترجمہ کیا اور اس کا نام آرائشِ محفل رکھا کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصلاً ۱۸۰۸ء میں مکمل ہو کر اسی سال ہندوستانی پریس کلکتہ سے شائع ہوئی چونکہ یہ کتاب اردو دانی کے اعلیٰ امتحانات کے نصاب میں شامل کر دی گئی تھی اس لیے کلکتہ، لکھنؤ اور لاہور سے اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے، اس کا قلمی نسخہ ۲۳۷ اوراق پر مشتمل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں محفوظ ہے[1]

خلاصۃ التواریخ منشی سجان رائے بٹالوی کی ایک اہم تصنیف ہے۔ اس میں انھوں نے ہندوستان کی مفصّل تاریخ معتبر و مستند حوالوں سے قلم بند کی ہے۔ محقّقین نے اگرچہ آرائشِ محفل کو خلاصۃ التواریخ کا ترجمہ بتایا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ خود میر شیر علی افسوس نے اسے اپنی تالیف بتایا ہے[2]

خلاصۃ التواریخ کا انھوں نے لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ اس کا صرف مفہوم ادا کیا ہے اور متعدّد مقامات پر حذف و اضافہ بھی کیا ہے خلاصۃ التواریخ کے علاوہ آئینِ اکبری سے بھی استفادہ کیا ہے[3]۔ افسوس نے اپنے وسیع مطالعہ سے بھی اس تصنیف میں کام لیا ہے۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم لکھتی ہیں:

ہندوستان کے صوبوں کے ذکر میں افسوس نے بہت سی ایسی جگہوں کا ذکر کیا ہے جو خلاصۃ التواریخ میں موجود نہیں مثلاً نارنول، مرزاپور، مرشد آباد، بندر ہوگلی، کلکتہ اور چندن نگر وغیرہ، یہ اضافے افسوس کی اپنی معلومات پر مبنی ہیں ان میں انھوں نے کسی تاریخ سے استفادہ نہیں کیا ہے[4]

ہمارے خیال میں یہ کتاب میر شیر علی افسوس کی تالیف قرار دیے جانے کی مستحق ہے، افسوس نے اس دور میں آرائشِ محفل کے لیے جو محنت کی وہ اس

---

[1] فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص ۵۶

[2] دیباچہ آرائشِ محفل ورق ۶ بحوالہ سابق ص ۵۲

[3] فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص ۵۲

[4] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور کے لحاظ سے ایک زبردست کارنامہ قرار دیے جانے کے لائق ہے۔

آرائشِ محفل کا چونکہ بنیادی ماخذ خلاصۃ التواریخ اور آئینِ اکبری ہے جو بذاتِ خود معتبر ہیں اس لیے آرائشِ محفل کو بھی معتبر و مستند سمجھنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اس کا اسلوب بیانیہ ہے جو فی الحقیقت تاریخ نگاری کا اسلوب ہے جو سادہ واقعہ نگاری کے اہتمام اور جذبات انگیزی کے احتراز سے عبارت ہے میر شیر علی افسوس نے پوری کتاب میں اسی اسلوب کی پیروی کی ہے ڈاکٹر عبیدہ بیگم کا خیال ہے کہ آرائش محفل کی نثر موجودہ زمانے کی نثر کے مماثل نظر آتی ہے[۱]

مجموعی طور سے آرائشِ محفل اردو تاریخ نگاری کے فن میں ایک گراں قدر اضافہ اور میر شیر علی افسوس کا بڑا کارنامہ ہے۔

۲۔ تاریخِ شیر شاہی

یہ عباس خاں سروانی کی فارسی تصنیف تحفۂ اکبر شاہی کے تیسرے طبقے کا اردو ترجمہ ہے تحفہ اکبر شاہی جلال الدین اکبر کی فرمائش پر عباس خاں نے لکھی تھی چونکہ مصنف قریب العصر ہے اس لیے کتاب کی اہمیت معاصر ماخذ کی ہے۔ اس میں شیر شاہ سوری کی ولادت سے وفات تک کے حالات و واقعات بڑی تفصیل سے مورخانہ انداز میں قلم بند کیے گئے ہیں۔

اسے مظہر علی خاں ولا نے کپتان ماونٹ کی فرمائش پر ۱۸۰۵ء میں اردو کا جامہ پہنایا۔ اس کا ایک کرم خوردہ قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں موجود ہے[۲] جسے ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر سید معین الحق نے ایڈٹ کرکے سلمان اکیڈمی کراچی سے شائع کیا اور یہی مطبوعہ نسخہ راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔

کتاب کے معتبر و مستند ہونے میں شبہ نہیں البتہ مترجم کا اسلوبِ نگارش عام فہم نہیں ہے لفظی ترجمہ کیا گیا ہے جس سے بعض مقامات پر عبارت میں ثقالت اور تعقید پیدا ہوگئی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔

---

۱ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص۲۴۶ ۲ ایضاً ص۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"گروہ مغلوں کا جو بادشاہ کے لشکر سے جدا ہو کر کابل کی طرف کو جاتا تھا خواص خاں کو نظر آیا لیکن طاقت جو لڑائی کی نہ رکھتا تھا، نقارہ نشان چھوڑ کر بھاگا خواص خاں نے نشان و نقارہ لیا اور اس منزل سے لشکر رہیلوں کا پھر کر ملازمت میں شیر خاں کی آیا، شیر خاں ایک مدت خوشاب میں رہا کہ اسمٰعیل خاں اور فتح خاں اور غازی خاں بلوچ ملازمت میں شیر خاں نے بلوچوں کو فرمایا کہ گھوڑے داغ کو پہونچاؤ، اسمٰعیل خاں نے عرض کیا کہ اور لوگ گھوڑوں کو داغ کریں گے، میں اپنے تئیں داغ کروں گا، شیر خاں خوش ہوا اور اسمٰعیل خاں کو داغ معاف کیا اور ملک سندھ کا اس کے واسطے مقرر ہوا دوسرے اور سرداروں کو کہ جن کا مذکور ہوا ہے اور وہ پٹھان ملازمت میں شیر خاں کے ہمراہ آئے (تاریخ شیر شاہی ص۱۵) اس ثقالت کے باوجود یہ کتاب اردو تاریخ نویسی میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔

۳۔ تاریخ آسام

یہ شہاب الدین طالش ابن ولی محمد کی فارسی تصنیف تاریخ آشام (آسام) کا اردو ترجمہ ہے، اسے اردو کا جامہ بہادر علی حسینی نے پہنایا ہے اس کا مخطوطہ ۱۳۹ اوراق پر مشتمل ہے، یہ مخطوطہ خوش خط تو ہے لیکن خستہ اور قدرے کرم خوردہ ہے، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں محفوظ ہے[۱] سید مقیت الحسن نے لکھا ہے کہ یہ ۱۸۰۵ء میں ہندوستانی پریس سے شائع ہوا[۲]

یہ اورنگ زیب عالمگیر کے میر جملہ نواب عمدۃ الملک میر محمد سعید کی اس مہم کی مفصل تاریخ ہے جس کا آغاز ۱۶۶۲ء میں ہوا اور جو آسام کی فتح پر ختم ہوئی تھی شہاب الدین طالش اس مہم میں نواب عمدۃ الملک کے ساتھ شریک تھا اس لیے اس نے اس کی پوری تفصیل آسام کی تاریخ کے ساتھ قلم بند کی ہے یہ ایک مقدمہ اور دو مقالوں پر مشتمل ہے مقدمہ میں لشکر کے کوچ کا ذکر ہے اور ان اسباب کی تفصیل بھی

۱؎ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص۵۴۷

۲؎ کلکتہ کے قدیم مطابع اور ان کی مطبوعات ص۱۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جن کی بنا پر یہ مہم چھیڑنی پڑی۔ پہلے مقالے میں لشکر کی بہار روانگی، راجہ بھیم نرائن کی شکست اور فتح کی روداد ہے۔ ضمناً بہار کا جغرافیہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ڈاکٹر عبیدہ بیگم کے الفاظ میں "وہاں کی آب و ہوا، پھلوں، پھولوں اور پیڑ پودوں وغیرہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ طرزِ معاشرت، رسم و رواج اور رہن سہن کا بھی علم ہوتا ہے۔"[۱]

دوسرے مقالے میں آسام کے لیے کوچ اور دوسرے ضمنی سیاسی واقعات لکھے گئے ہیں۔ ان تمام منصوبوں، حکمت عملیوں کا ذکر ہے جن سے آسام کی فتح میں کامیابی ملی۔ اس مہم کے تمام چھوٹے بڑے واقعات مصنف نے قلم بند کر دیے ہیں۔ اسی مقالے میں آسام کا جغرافیہ بھی قلم بند کیا گیا ہے جس میں اس کے حدود اربعہ، آب و ہوا، دریا، پھلوں، پھولوں اور باغات وغیرہ کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ آخر میں آسامیوں کی خصوصیات، ان کے طرزِ معاشرت، رسم و رواج اور بعض سیاسی واقعات کا ذکر ہے۔ اس طرح اس کتاب میں اس عہد کے آسام کی بیشتر تاریخ کی مرقع آرائی ہوگئی ہے۔

تاریخ آسام کئی امتیازات کی حامل ہے۔ اس کی صحت و صداقت معتبر اور یقینی ہے کیونکہ اس کا مصنف خود اس مہم میں شریک تھا اور اس کی یہ روداد مکمل طور پر چشم دید ہے۔ سید محمد قادری لکھتے ہیں:-

"شہاب الدین طالش خود اس مہم میں شریک تھا اس نے جو حالات و واقعات لکھے ہیں وہ اس کے چشم دید ہیں اور اس لحاظ سے نہایت معتبر و مستند کہے جا سکتے ہیں۔"[۲]

اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں واقعات کے اسباب و علل بھی بیان کیے گئے ہیں اور بہادر علی حسینی کا اسلوبِ نگارش اپنے عہد کے مطابق سادہ اور عام فہم ہے کہیں کہیں تعقید اور گنجلک عبارتیں بھی آ گئی ہیں مگر یہ خامی بہت کم ہے۔

۱؎ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص۲۴۹

۲؎ اربابِ نثر اردو ص۱۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"تاریخِ آسام" کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آسام کی سیاسی تاریخ کے ساتھ اس کی تمدنی اور معاشرتی تاریخ بھی لکھی گئی ہے۔

۴۔ واقعاتِ اکبر

یہ ابوالفضل کی مشہور تصنیف اکبر نامہ کا اردو ترجمہ ہے، اسے فورٹ ولیم کالج کے اہم مصنف خلیل علی خاں اشک نے کپتان ولیم ٹیلر کی خواہش پر ۱۸۰۹ء میں اردو میں منتقل کیا۔ یہ کتاب اب تک طبع نہیں ہوئی۔ اس کا ۴۸۱ اوراق پر مشتمل قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں موجود ہے[۱]

یہ کتاب اگرچہ اکبر نامہ کا ترجمہ ہے تاہم مترجم خلیل علی خاں اشک نے قطع و برید سے بھی کام لیا ہے[۲] حالانکہ مترجم نے اصل متن کے بہت قریب رہنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے ترجمہ بہت مغلق اور پیچیدہ ہوگیا ہے، روانی و سلاست نہیں پائی جاتی لیکن مترجم نے کتاب کے جس حصے میں آزادانہ ترجمہ کیا ہے وہ ان کے سادہ اور عام فہم اسلوب کو ظاہر کرتا ہے۔ اردو تاریخ نویسی میں یہ ترجمہ ایک اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

۵۔ تاریخِ نادری

یہ محمد مہدی بن محمد نصیر استرابادی کی فارسی تصنیف تاریخِ نادری کا اردو ترجمہ ہے، اسے فورٹ ولیم کالج کے اہم مصنف سید حیدر بخش حیدری نے ۱۸۰۹ء میں ولیم ٹیلر کی فرمائش پر اردو کا جامہ پہنایا۔ یہ اب تک غیر مطبوعہ ہے، اس کا خوش خط قلمی نسخہ جو ۵۹۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ میں محفوظ ہے[۳]۔ اس میں نادر شاہ اور اس کے عہد کے ایران کی مفصل تاریخ قلم بند کی گئی

---

[۱] فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص ۵۲

[۲] واقعاتِ اکبر ورق ۲-۳ بحوالہ سابق

[۳] فورٹ ولیم کالج ادبی خدمات ص ۵۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے پہلے نادرشاہ کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے پھر نادرشاہ سے پہلے کے ایران اور اس کے اطراف کی طوائف الملوکی کی تاریخ پس منظر کے طور پر پیش کی گئی ہے تاکہ نادرشاہ نے ایران کی ترقی کے لیے جو کاوشیں کیں ان کی اہمیت واضح ہو سکے۔

یہ کتاب ۱۱۳ واقعات پر مشتمل ہے جن سے اس عہد کے بیشتر حالات پر روشنی پڑتی ہے، اصلاً یہ نادرشاہ کی سوانح عمری قرار دیے جانے کے لائق ہے۔ اس کا تعارف کراتے ہوئے ڈاکٹر عبیدہ بیگم لکھتی ہیں:۔

"تاریخ نادری نادرشاہ کے حالات اور اس عہد کے ایران کی بہت مفصل اور ضخیم تاریخ ہے، اس میں نادرشاہ کی پیدائش، عقد، اولاد، تخت نشینی، جہانبانی، مبارزات، مہموں اور عادات و اطوار کا ذکر بہت تفصیل سے ملتا ہے۔ تاریخ نادری سے اس زمانے کے ایران کی جو تصویر سامنے آتی ہے اس سے علم ہوتا ہے کہ ایران میں سکون و اطمینان کا فقدان تھا۔ حکومت اور اقتدار کے لیے سیاسی کشمکش عروج پر تھی ارباب حل و عقد سازشوں اور طرح طرح کی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے[1]

تاریخ نادری کا اصل مصنف محمد مہدی چونکہ نادرشاہ کا وقائع نویس تھا اس لیے اس کے بیانات کو شک و شبہ سے نہیں دیکھنا چاہئے لیکن اس کی جانب داری بالکل عیاں ہے۔ اس نے نادرشاہ کی تعریف و توصیف میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور صرف خوبیاں ہی خوبیاں گنوائی ہیں، خامیوں کو نظر انداز کر دیا ہے اور اگر نادرشاہ کے ظلم و جبر کے واقعات لکھے بھی ہیں تو اس انداز سے کہ اس سے نادرشاہ کے طوفانِ ظلم و جبر کو سند جواز ملتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

اردو ترجمہ میں حیدری کا اسلوبِ نگارش پیچیدہ اور مغلق ہے انھوں نے زبان و بیان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، بلکہ جوں کا توں لفظی ترجمہ کر دیا ہے جس سے اردو کے بجائے فارسی کا دھوکہ ہوتا ہے"[2]

اس کے باوجود یہ کتاب اپنے عہد کی اہم تاریخ ہے سید محمد قادری نے

---

[1] فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص ۵۲۶ [2] ایضاً ص ۵۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درست لکھا ہے کہ یہ کتاب حیدری کا نہایت ہی قابل قدر کارنامہ ہے، اردو زبان کا دامن اتنی مدت گزرنے کے بعد بھی ایسی علمی اور اہم کتابوں سے بہت کچھ خالی ہے[1]

۶۔ جہانگیر شاہی

یہ فارسی تاریخ اقبال نامہ جہانگیری کا اردو ترجمہ ہے جو مظہر علی خاں ولا کے قلم سے ۱۸۰۹ء میں مکمل ہوا اس میں جہانگیر کے بائیس سالہ دور حکومت کی تاریخ ہے مظہر علی خاں ولا کا اسلوبِ نگارش مورخانہ ہے، البتہ کہیں کہیں سادہ عام فہم اسلوب کے بجائے انشاء پردازی اور رنگین بیانی بھی در آئی ہے۔ ولا نے رزم و بزم دونوں کا بہت عمدہ نقشہ کھینچا ہے۔ اس کی ایک خوبی جزئیات نگاری ہے۔ مترجم نے چھوٹی بڑی ہر طرح کی چیزیں ہو بہو پیش کر دی ہیں۔

۷۔ اقبال نامہ

یہ منشی غلام حسین کی فارسی تصنیف سیر المتاخرین کے ایک حصہ کا اردو ترجمہ ہے جسے سید بخشش علی فیض آبادی نے اردو میں منتقل کیا ہے، یہ ترجمہ اب تک اشاعتِ عام سے محروم ہے۔ اس کا مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں محفوظ ہے جو خستہ اور کرم خوردہ ہے۔ اسے سید بخشش علی نے ۳۰ اپریل ۱۸۲۵ء میں کمپنی سرکار میں داخل کیا تھا ظاہر ہے کہ یہ اس سے پہلے مکمل ہوا ہوگا۔

اس کتاب کا آغاز سراج الدولہ کے احوال سے ہوا ہے اور اس کے بعد سیاسی وجنگی واقعات اور اس کی شہادت کے واقعات بیان ہوئے ہیں، نیز انگریزوں کی سیاسی حکمتِ عملی اور فہم وذکا کا بھی تفصیلی ذکر ہے۔ میر جعفر کی غداری اور مسند نشینی کا حال بھی قلم بند کیا ہے، میر قاسم پر انگریزوں کی فتح شجاع الدولہ کی انگریزوں سے جنگ وصلح بنگال پر نجم الدولہ کی مسند نشینی، انگریزوں کی مداخلت، نجم الدولہ کی موت اور سیف الدولہ کی مسند نشینی اور اس کی وفات وغیرہ کا احوال

---

[1] ارباب نثر اردو ص ۱۰۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت تفصیل سے قلم بند کیا گیا ہے۔

بنگال کی تاریخ پر یہ ایک عمدہ کتاب ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس میں بعض خامیاں بھی راہ پا گئی ہیں۔ مثلاً اس میں انگریزوں کی شجاعت و بہادری اور ان کے عدل و انصاف کے بہت سے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور ان کی مدح میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی ہے لیکن ظاہر ہے طاقتور آقاؤں کی موجودگی میں یہ خلافِ دستور بھی نہیں۔

فن تاریخ نگاری کے لحاظ سے اس میں کئی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً تاریخ و تہذیب کے مختلف النوع واقعات کا ذکر کیا گیا ہے ڈاکٹر عبیدہ بیگم لکھتی ہیں:

"اقبال نامہ کے تاریخی واقعات میں تسلسل ہے، اہم تاریخی ہستیوں کے ذکر کے علاوہ درمیان میں جو بھی چھوٹے چھوٹے واقعات رونما ہوئے اور جو تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئیں ان سب کا ذکر موجود ہے، سیاسی اور جنگی کارروائیوں، مبارزات اور سیاسی چشمکوں وغیرہ کا حال بہت دلچسپ اور آسان زبان میں کیا گیا ہے، نوابوں کی سیرتوں اور عادات و اطوار پر بھی تبصرہ ملتا ہے[۱]"

اقبال نامہ کا اسلوب نگارش خالص مورخانہ ہے۔ اس میں انشاپردازی اور رنگین بیانی سے قطعی کام نہیں لیا گیا اس لحاظ سے یہ تاریخ کی ایک اہم کتاب ہے۔

۸۔ شاہ نامہ ہندی

یہ کتاب توکل بیگ کی فارسی تصنیف شمشیر خانی کا اردو ترجمہ ہے۔ مترجم محمد علی فورٹ ولیم کالج سے وابستہ نہیں تھے بلکہ یہ ترجمہ بقول انہی کے "انگریز بہادر کی سرکار معدلت آثار سے فیض یاب ہونے کے لیے کیا تھا" محمد علی کا یہ کارنامہ اب تک زیورِ طباعت سے محروم ہے۔ اس کا قلمی نسخہ جو ۳۸۱ اوراق پر مشتمل ہے، ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے[۲]

۱؎ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص۵۵۷

۲؎ ایضاً ص۵۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہنامہ فردوسی محتاجِ تعارف نہیں۔ اس نے ایران کو زندہ کیا، اس کے اردو ترجمہ واختصار نے وہ مقبولیت حاصل نہیں کی جو اصل کتاب کو ملی، مگر یہ اختصار شاہ نامہ فردوسی کے مقابلہ میں تاریخی نوعیت سے زیادہ جامع ہے، اس سے ایران کے شاہانِ سلف کے مختلف قسم کے حالات کا علم ہوتا ہے اور یہ خوبیاں محمد علی کے اردو ترجمہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

شاہنامہ ہندی کا اسلوب سادہ سلیس اور رواں ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"سکندر نے خضر سے کہا، میرے پاس دو لعل ہیں ایک کی یہ خاصیت ہے کہ سانپ بچھو اور جو کوئی جانور کاٹنے والا ہوئے اس لعل کی دہشت سے آدمی کے گرد نہیں آتا اور دوسرا لعل شب چراغ ہے، اس کی خاصیت یہ ہے کہ چراغ کی طرح روشنی دیتا ہے۔ ایک لعل میرے پاس رہے ایک تیرے پاس رہے۔ خضر لعل شب کو لیے ہوئے سکندر کے آگے آگے جاتے تھے، دو رات دن راہ چلے تیسرے دن دوراہے میں پڑے خضر نے ہر چند پکارا سکندر کے لشکر نے نہ سنا[۱]"

شاہنامۂ ہندی کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اس کا اسلوبِ تحریر مورخانہ ہے اور اس میں تاریخ نویسی کا فن ترقی کرتا ہوا نظر آتا ہے مثلاً جنگوں کے واقعات تو معرکہ آرائیوں کے اسلوب میں لکھے گئے ہیں۔ لیکن تہذیب و ثقافت کے بیان میں مترجم کی زبان جدا ہے۔

شاہنامہ ہندی کے نام کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔

۹۔ تاریخ بہمنی

یہ تاریخ فرشتہ کے اس باب کا اردو ترجمہ ہے جس میں بہمنی سلاطین کا ذکر ہے۔ یہ ترجمہ شائع نہ ہو سکا اس کی مزید تفصیلات بھی دستیاب نہ ہو سکیں۔

---

[۱] شاہنامہ ہندی ورق ۳۸۰ بحوالہ سابق صفحہ ۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فورٹ ولیم کالج کا خاتمہ

فورٹ ولیم کالج کلکتہ اگرچہ قانونی طور پر ۱۸۵۴ء میں ختم کیا گیا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی علمی سرگرمیاں ۱۸۳۰ء سے پہلے ہی سرد پڑ چکی تھیں، اس مختصر سی مدت میں اس نے اردو کی قابلِ قدر خدمت انجام دی اور خاص طور سے تاریخ کا ایک وسیع علمی سرمایہ مہیّا کیا۔

مرحوم دہلی کالج کی تاریخی خدمات

انیسویں صدی عیسوی میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ جس وقت اپنی علمی و ادبی خدمات کے آخری دور میں تھا اور اس کی رونق ماند پڑ رہی تھی اسی زمانہ میں دہلی میں دہلی کالج کے ذریعہ علمی و ادبی کاموں کا آغاز ہوا گویا کلکتہ کی علمی رونق دلّی میں منتقل ہو گئی۔

دہلی کالج ابتداءً ایک مدرسہ تھا جسے نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ ثانی نے ۱۷۹۲ء میں قائم کیا تھا، ۱۸۲۵ء میں اسے انگریزوں نے دہلی کالج میں اس مقصد سے تبدیل کیا کہ ہندوستانیوں کو اردو زبان کے ذریعہ جدید علوم یعنی ادب اور سائنس کی تعلیم دی جائے[1] اس مقصد کے حصول کے لیے انگریزوں نے کالج کی طرف بڑی توجہ دی اور کالج نے آہستہ آہستہ بڑی ترقی کی۔ جدید علوم وفنون کی تعلیم و تربیت کے ساتھ کتابوں کے ترجمہ و تالیف کے لیے ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم ہوئی۔ کتابوں کی طبع و اشاعت کے لیے ایک مطبع مطبع العلوم قائم ہوا، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے لیے قدیم علوم کے ماہرین کے ساتھ جدید علوم و فنون کے ماہرین کا کالج میں تقرر کیا گیا، غرض مذکورہ سعی و کوشش سے یہ کالج جدید علم و فن کا مرکز قرار پایا[2]

---

[1] بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق۔ مرحوم دہلی کالج ص۵

[2] تفصیل کے لیے دیکھئے مولوی عبدالحق کی کتاب اور دلّی کالج میگزین کا قدیم دلّی کالج نمبر ۱۹۵۳ء

۳۰۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی نے علم وفن کی بڑی خدمت کی اور تقریباً ۱۲۸ کتابیں وابستگانِ کالج کے ذریعہ ترجمہ وتالیف ہوکر شائع کی گئیں جن میں مختلف موضوعات کی نصابی کتابیں شامل ہیں چونکہ جدید علوم میں تاریخ کو بھی شامل کیا گیا تھا اس لیے دوسرے علوم مثلاً سائنس وریاضی کی طرح تاریخ کی بھی متعدد کتابیں یہاں لکھی اور ترجمہ کی گئیں۔ دہلی کالج کی تاریخی تصانیف کا یہاں ایک مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ واقعاتِ ہند

یہ دہلی کالج کے اہم مصنف مولوی کریم الدین صاحب کا کارنامہ ہے، اسے انھوں نے کپتان فلر کے حکم سے اردو کا جامہ پہنایا، یہ انگریزی کی کئی کتابوں کا اردو ترجمہ ہے، اس میں ہندوستان کی تاریخ قلم بند کی گئی ہے، ۱۸۶۴ء میں سرکاری مطبع لاہور سے شائع ہوئی[1]

یہ کتاب راقم الحروف کی نظر سے گذری اور نہ یہ علم ہی ہوسکا کہ اس کا مخطوطہ یا مطبوعہ نسخہ کہاں ہے۔

۲۔ تواریخِ انگلستان

یہ گولڈ اسمتھ کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے، دلی کالج کے کئی مدرسین کی مشترکہ کوششوں سے یہ اردو میں ترجمہ کی گئی اور ۱۸۴۴ء میں شائع ہوئی۔

اس ترجمہ کی اہمیت اس لحاظ سے سوسائٹی کی دوسری تصانیف سے اس لیے زیادہ ہے کہ اس میں اصطلاحات کے بھی ترجمے کیے گئے ہیں، اردو میں غالباً یہ پہلی کتاب ہے جس میں انگریزی اصطلاحات کا اردو ترجمہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کا ترجمہ آسان اور عام فہم ہے، اس کا اسلوبِ نگارش تاریخی نثر جیسا محسوس ہوتا ہے[2]

---

[1] قدیم دلی کالج ص ۱۲۷-۱۲۸

[2] تفصیل کے لیے دیکھئے دلی کالج میگزین کا قدیم دلی کالج نمبر مرتبہ خواجہ احمد فاروقی ۱۹۵۳ء ص ۱۳۲-۱۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ تاریخ ابوالفدار

یہ مشہور اسلامی مورّخ ابوالفدار کی تاریخ کی پہلی، دوسری، چوتھی اور پانچویں جلد کا اردو ترجمہ ہے۔ اسے بھی مولوی کریم الدین صاحب نے اردو میں منتقل کیا۔ ۱۸۴۷ء میں اشرف علی کے اہتمام میں مطبع مطبع العلوم سے شائع ہوئی۔

ترجمہ اصل کتاب کا مرہون منت ہے، البتہ اس کی زبان آسان، عام فہم اور تاریخی نثر جیسی ہے۔[1]

۴۔ رسوم ہند

یہ شمس العلمار ڈاکٹر ضیار الدین کی تصنیف ہے۔ ابتدائی نصف حصہ کالج کے دوسرے اہم مدرس ماسٹر پیارے لال کے قلم سے ہے۔ اس کتاب کا ایک اول و آخر کرم خوردہ نسخہ دار المصنفین اعظم گڑھ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس میں ہندوستان خصوصًا ہندؤں کی مختلف ذاتوں کا بیان ہے۔ زبان و بیان علمی ہے۔ ناولوں اور داستانوں کا اثر اس میں نہیں پایا جاتا۔

۵۔ تاریخِ ایران

یہ کوندر کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ اسے ماسٹر حسینی نے اردو کا جامہ پہنایا۔ اس کے ترجمہ میں نور محمد نے بھی حصہ لیا۔

۶۔ تزکِ تیموری

اسے مولوی سبحان بخش نے اردو میں ترجمہ کیا۔

۷۔ ابنِ خلکان

یہ کتاب مشہور اسلامی مورخ ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان کے

---

[1] ایضاً ص ۲۷ و تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد آٹھ اردو ادب حصہ سوم ص ۹۶۔

۳۰۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض حصوں کا ترجمہ ہے۔ اس سے زیادہ اس کی تفصیلات دستیاب نہ ہو سکیں۔

۸۔ دربارِ قیصری

یہ بھی کسی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ اسے ماسٹر پیارے لال آشوب نے اردو میں منتقل کیا۔

۹۔ تاریخِ بنگال

اسے مولوی سبحان بخش نے اردو میں منتقل کیا۔

۱۰۔ تاریخِ آگرہ

یہ کتاب دستیاب نہ ہو سکی صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ اسے مولوی کریم الدین صاحب نے قلم بند کیا تھا۔

۱۱۔ قصصِ ہند

یہ کتاب ترجمہ نہیں بلکہ ماسٹر پیارے لال آشوب کی طبع زاد تصنیف ہے اور تین حصوں پر مشتمل ہے، اس میں تاریخِ ہند کے اہم واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی تاریخ کی متعدد کتابیں ترجمہ کی گئیں جن کی تفصیلات دستیاب نہ ہو سکیں، ان کے نام یہ ہیں:۔

(۱) تاریخِ ہند (زمانۂ قدیم سے زمانۂ حال تک[۱]) (۲) تاریخِ اسلام (۳) تاریخِ یونان (۴) تاریخِ روما (۵) تاریخِ مغلیہ (تیمور سے شاہ عالم تک) (۶) تاریخِ کشمیر (۷) مختصر خاکہ تاریخِ عالم (۸) حالاتِ ہندوستان (۹) تاریخِ مسعودی (۱۰) تاریخِ چارلس وغیرہ[۲]

---

[۱] اس کتاب کا ایک نسخہ بلرام پور کالج کی لائبریری میں موجود ہے جو ڈاکٹر اشفاق احمد اعظمی صاحب کی نظر سے گذرا ہے یہ اصلاً جان کلارک مارشمن کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق احمد اعظمی۔ تواریخ ایسلاس، حاشیہ نمبر ۵)

[۲] مرحوم دہلی کالج ص ۱۲۷ - ۱۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چونکہ یہ کتابیں نصابی ضرورت کے پیشِ نظر لکھی اور ترجمہ کی گئیں اس لیے قدرتاً ان کا اسلوب عام فہم ہے۔ ان میں رنگین بیانی نہیں پائی جاتی، البتہ فورٹ ولیم کالج کے مقابلے میں ان تاریخی کتابوں میں داستانوں اور افسانوں کے برخلاف علمی زبان کا استعمال زیادہ ہوا ہے جو ظاہر ہے اردو زبان کی بتدریج ترقی کا نتیجہ ہے۔ یہ کتابیں تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے اپنے اصل متن کی مرہونِ منت ہیں اور جو کتابیں طبع زاد ہیں ان میں بھی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی واقعہ غلط درج نہ ہو جائے۔ یہ کتابیں اگر دستیاب ہوتیں تو ان کا تحقیقی جائزہ لے کر دیکھا جا سکتا تھا کہ معیارِ تاریخ پر وہ کتنی پوری اترتی ہیں۔

دلی کالج کے وابستگان میں ماسٹر رام چندر اور منشی ذکاء اللہ نے فنِ تاریخ کی بڑی خدمت کی، خصوصاً منشی ذکاء اللہ تو ایک بڑے مورخ کی حیثیت سے یاد کیے جاتے ہیں۔ تاریخِ ہندوستان ان کا بڑا کارنامہ ہے۔ یہاں مختصراً دونوں کی تاریخی خدمات کا ایک اجمالی مرقع پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ ماسٹر رام چندر

ماسٹر رام چندر دہلی کالج کے ایک اہم استاد اور اردو زبان کے بڑے خدمت گذار تھے، انھوں نے علم و فن خصوصاً فنِ تاریخ کی بڑی خدمت انجام دی، وہ اگرچہ کسی مستقل تاریخی کتاب کے مصنّف نہیں ہیں تاہم ان کے تاریخی مضامین کی حیثیت کسی تصنیف سے کم نہیں، ان کے رسالہ ’فوائد الناظرین‘، جو پہلے ماہنامہ تھا پھر پندرہ روزہ ہو گیا تھا، کے ہر شمارہ میں تاریخی مضامین خود ماسٹر رام چندر کے قلم سے ہوتے تھے، ان میں خصوصیت سے سلاطینِ ہند اور شاہانِ مغلیہ کے حالات ہوتے تھے۔ ان مضامین نے اس دور میں تاریخ کا مذاقِ عام کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا، ایک مضمون میں انھوں نے علمِ تاریخ کے فوائد بھی بیان کیے[۱]

۱؎ صدیق الرحمٰن قدوائی ۔ ماسٹر رام چندر ص ۱۵۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماسٹر رام چندر نے تاریخی مضامین میں تاریخی اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس میں نہ رنگین بیانی ہے اور نہ زورِ تحریر دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ غالباً اسی وجہ سے ممتاز منگلوری نے لکھا ہے کہ "ترجمہ و تاریخ میں ماسٹر رام چندر کو منشی ذکاء اللہ پر تقدم حاصل ہے"۔[1]

۲۔ منشی ذکاء اللہ

منشی ذکاء اللہ دلی کالج کے نامور فرزند ہیں، انھوں نے علم و فن کی بڑی خدمت کی۔ یہ اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں اور ان کی کتابوں کا تعلق مختلف موضوعات مثلاً مذہب، تاریخ، جغرافیہ اور حساب وغیرہ سے ہے مگر ان کا اصل میدان فن تاریخ ہے۔ ان کی تاریخی کتابوں کی تعداد ستّرہ ہے ان میں جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے تاریخ ہندوستان جو پندرہ جلدوں پر مشتمل ہے، ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

ان کی تصنیف آج ہندوستان کی تاریخ کا بڑا معتبر سرمایہ ہے بحیثیت مورخ ان کی زبان تاریخی اسلوب کی حامل ہے اور اصولِ تاریخ نویسی کا بھی انھوں نے بڑا خیال رکھا ہے۔

غرض یہ کہ اردو میں تاریخ نویسی کی جو روایت رستم علی بجنوری کے ذریعہ شروع ہوئی تھی، اسے فورٹ ولیم کالج کے بعد سب سے زیادہ دلی کالج میں فروغ حاصل ہوا اور اس کے مصنفین نے اس روایت کو مزید ترقی دی۔

اس دور کی چند انفرادی تاریخی کاوشیں

انیسویں صدی میں ملک کے دوسرے علاقوں کے اہلِ قلم نے بھی انفرادی طور پر تاریخ پر توجہ کی اور اردو خزانے میں تاریخی ادب کا اضافہ کر کے اس کو مزید پروان چڑھایا۔ یہاں معلوم انفرادی تاریخی کوششوں کا ایک تعارف و تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ج ۸ اردو ادب سوم ص ۹۳-۹۴
۳۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ تاریخ فیروز شاہی

یہ مشہور و معروف کتاب محتاج تعارف نہیں۔ ضیاء الدین برنی کا یہ زندہ جاوید کارنامہ ہے، اردو میں اب تک اس کے کئی ترجمے ہو چکے ہیں۔ زیرِ نظر ترجمہ و تلخیص سرہنری لوئس کی خواہش پر وارث علی بن شیخ بہادر کے قلم سے ہے جو باعتبارِ زمانہ سب سے قدیم ہے، ڈاکٹر رفیعہ سلطان کا خیال ہے کہ یہ کتاب فورٹ ولیم کالج سے پہلے کی ہے مگر ڈاکٹر جمیل جالبی نے لکھا ہے کہ اسے قطعی طور پر اٹھارہویں صدی عیسوی کی تصنیف قرار نہیں دیا جا سکتا۔[۱]

یہ ترجمہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گذرا، ڈاکٹر جاوید علی خاں نے لکھا ہے کہ ترجمہ آسان زبان میں ہے۔ مگر اس میں عربی و فارسی کے الفاظ کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔[۲]

۲۔ تاریخِ سرنگاپٹم

یہ فارسی کتاب تاریخ حیدری کا اردو ترجمہ ہے جسے منشی محمد قاسم نے کرنل ماکھی کی فرمائش پر اردو کا جامہ پہنایا، اس ترجمہ کو حیدر آغا نے ۱۸۰۱ء میں مرتب کیا جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ یہ سرنگاپٹم کی تاریخ ہے۔ اس میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان شہید کے حالات و کارناموں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ تاریخ حیدری ایک معیاری کتاب ہے مگر مصنف نے قدرے جانبداری سے کام لیتے ہوئے حیدر علی اور ٹیپو کا تذکرہ بڑے آب و تاب اور تقدس کے ساتھ کیا ہے اور مخالفین کے ذکر میں کوتاہ قلمی سے کام لیا ہے۔

ترجمہ کا اسلوبِ نگارش قدرے نامانوس ہے، زبان دکنی ہے اور کنڑ زبان کے بعض الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔

۱۔ تاریخ ادبِ اردو جلد دوم صفحہ ۱۰۷

۲۔ Beginnings Of Historical Writtings in Urdu . Journal of the pakistan Historical society January 1994 Vol II P. 30- 31

۳۔ حوالہ بالا ۳۰۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ کیفیات اسمہائے راجگان و بادشاہان دہلی

یہ میر ہاشم علی حسینی کی طبع زاد تصنیف ہے۔ اسے انھوں نے ۱۸۰۲ء میں قلم بند کیا۔ اس میں تومان راج پوت سے لے کر مغل حکمراں اکبر شاہ ثانی تک یعنی مصنف کے عہد تک کے حالات و واقعات ہیں۔ یہ انیسویں صدی کی ابتدا میں لکھی جانے والی ایک اہم کتاب ہے۔ اس میں میر ہاشم علی نے سیاسی حالات کے ساتھ معاشرتی اور جغرافیائی حالات بھی قلم بند کیے ہیں۔ مختلف شہروں کے درمیان کی مسافت لاہور، کابل، قندھار، غزنی، کشمیر، ملتان، ٹھٹھہ گجرات اور اجمیر وغیرہ کی سرحدوں کا بھی تذکرہ ہے۔ شہر کے حالات اور ان کے قدیم ناموں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ حکمرانوں کے علاوہ شہزادوں، امرا و رؤسا کے القاب و خطابات اور ان کے مختصر حالاتِ زندگی کو بھی تحریر کیا ہے بعض حکمرانوں کے سکّوں کے بارے میں معلومات درج کی گئی ہیں۔ ملکی سکّوں کے علاوہ استنبول، عراق، خراسان، بلخ، بخارا کے سکّوں کا بھی ذکر ہے۔

غرض یہ کہ یہ کتاب سیاسی حالات و واقعات کے ساتھ تہذیبی و تمدّنی اور معاشرتی حالات بھی بہم پہونچاتی ہے۔ اس لحاظ سے تاریخ کی ایک اہم کتاب قرار دی جاسکتی ہے۔ زبان دکنی اردو جیسی ہے۔

۴۔ عبرت نامہ

یہ مولوی خیرالدین صاحب کی تصنیف ہے، ۱۸۰۶ء میں مکمل ہوئی۔ یہ تیمور سے شاہ عالم تک کی تاریخ ہے۔ ابتدائی پچیس صفحات میں تیمور سے احمد شاہ تک کی تاریخ ہے۔ بقیہ کتاب عالمگیر ثانی اور شاہ عالم کے حالات میں ہے۔ اس دور کے اہم واقعات کے علاوہ چھوٹے چھوٹے واقعات بھی مورخ نے بیان کیے ہیں۔ آخر میں غلام قادر خاں کی سفّاکیوں کی داستان ہے۔ یہ کتاب پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے[1]

[1] اودھ کے تاریخ نگار ص ۲۵۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ عماد السعادت

یہ سید غلام نقوی کی تصنیف ہے ۱۸۰۸ء میں کرنل بیلی کی فرمائش پر لکھی، اس میں نواب علی خاں تک کے اودھ کے حالات و واقعات ہیں اور درّانیوں، افغانیوں، مرہٹوں، سکھوں اور انگریزوں کا بھی ذکر ہے۔ غلام علی نقوی کی ایک اور کتاب نگار نامۂ ہندی بھی بتائی جاتی ہے جس میں پانی پت کی پہلی جنگ جو بابر اور ابراہیم لودی کے درمیان ہوئی تھی کی تفصیل ہے اور ضمناً افغانوں کے تنازعات بھی بیان ہوئے ہیں [۱]

۶۔ تاریخ عروجِ اسلام

یہ کسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے، ۱۸۱۳ء میں مکمل ہوا، سید زوار حسین نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ۳۶ جلدوں میں ہے [۲] اس کی مزید تفصیلات دستیاب نہ ہو سکیں۔

۷۔ ۸۔ تفریح العمارات، احوال شہر اکبر آباد

یہ دونوں کتابیں آگرہ کے مجسٹریٹ کلکٹر اور آگرہ کالج کے سپرنٹنڈنٹ جیمس اسٹیفن لو سنگٹن کی ہدایت پر ۱۸۲۵ء میں آگرہ کالج کے دو طالب علموں نے لکھی۔ اس میں آگرہ کی تاریخی عمارتوں، مسجدوں، مقبروں اور باغوں وغیرہ کا احوال ہے [۳]

۹۔ تاریخ ممالکِ چین

یہ کتاب انیسویں صدی کی ایک اہم تصنیف ہے اور ایک انگریز جیمز کارکرن کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہے۔ ۱۸۴۲ء میں لکھی گئی یہ کتاب بڑی تقطیع میں دو ضخیم

---

[۱] اودھ کے تاریخ نگار ص ۱۳۶

[۲] مصنفین اردو ص ۲۰۸

[۳] شریف حسین قاسمی، مقدمہ سیر المنازل ص ۹

۳۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جلدوں پر مشتمل ہے پہلی جلد ۱۶۷ صفحات کی ہے۔ اس میں تین دفتر (باب) اور ۳۳ ابواب (فصلیں) ہیں اور ۴۴ صفحے کا اشاریہ ہے جو انگلش میں ہے، دوسری جلد ۴۶۵ صفحات پر مشتمل ہے اس میں دو دفتر (باب) اور ۳۲ باب (فصلیں) ہیں، اس میں طوفان نوح کے بعد سے ۱۸۴۲ء یعنی مصنف کے عہد تک کے چین کے حالات ہیں۔ یہ دونوں جلدیں مطبع پادری طامس صاحب کلکتہ سے علی الترتیب ۱۸۴۲ء۔ ۱۸۵۲ء میں شائع ہوئیں۔

مصنف نے چین اور اس کی مختلف ریاستوں کی سیاسی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی اور جغرافیائی تاریخ لکھی ہے۔ چین کے مختلف ادوار اور شاہانِ چین کے مختلف خانوادوں کا تفصیلی تذکرہ اور ان کی سیاسی سرگرمیوں کی تفصیلی تاریخ ہے۔

تاریخ نویسی کے لحاظ سے یہ کتاب بڑی خوبیوں کی حامل ہے۔ اس میں چین کے ہر طرح کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں چین کی تاریخ پر اتنی مفصل کتاب اردو میں نہیں لکھی گئی، یہ دارالمصنفین (اعظم گڑھ) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

میر حسن نے اسے انگریزی کتاب کا ترجمہ قرار دیا ہے[1] مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اصل اردو کتاب میں مترجم کا کہیں ذکر نہیں ملتا اور نہ جیمز کارکرن کی انگریزی تصنیف ہی کا کہیں ذکر ہے۔ خود میر حسن نے بھی انگریزی کتاب کا نام نہیں لکھا ہے۔

۱۰۔ فتح گڑھ نامہ

فروری ۱۸۴۶ء میں کالے رائے ڈپٹی کلکٹر ضلع فرخ آباد نے تواریخ ضلع فرخ آباد لکھی جو فتح گڑھ نامہ کے نام سے معروف ہے، اسے ۱۸۴۹ء میں محمد حسین نے مطبع اودھ اخبار دہلی سے پنڈت موتی لعل کی تصحیح و مقابلہ کے ساتھ شائع کیا۔

اس کا سببِ تالیف بیان کرتے ہوئے کالے رائے لکھتے ہیں۔

"اس عرصہ میں بسبب کثرت کام سرکاری کے اور مصروف رہنے امورِ متعلقہ

---

[1] مغربی تصانیف کے اردو تراجم ص ۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترمیم بندوبست وغیرہ ازبس عدیم الفرصتی مجھ کو رہی مگر اس تقریب دورہ وبندوبست میں ہر ایک پرگنہ ودیہ متعلقہ اس ضلع کو دیکھا، جو کچھ حال میرے معائنہ اور دریافت میں آیا اور بعض مراتب متعلقہ انتظام ضلع کے ایسے تھے کہ ان کے قلم بند رہنے سے امور سرکار میں باعثِ مدد تھا، ان کو اپنی یادداشت کے واسطے قلم بند کرتا گیا اور میرے والد بزرگوار کوڑامل کہ ازبس صاحب علم وشائق تواریخ ہیں ان کی فرمائش مجھ پر واسطے تحریر حال اس ضلع کے ہوئی تو یکایک میری طبیعت اس بات پر راغب ہوئی کہ اگر یہ سب کیوف بطور کتاب ترتیب ہو جاوے اس سے فائدہ عام حاصل ہے۔ خصوصاً جس کسی کو اس ضلع سے تعلق ہے اس کے بہت کارآمد ہو سکتا ہے[۱]۔"

یہ کتاب چار ابواب اور ۴۸ دفعات پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں فرخ آباد کا مفصل جغرافیہ لکھا ہے، اتنی تفصیل سے غالباً کسی اور کتاب میں فرخ آباد کا جغرافیہ مذکور نہیں، دوسرے باب میں عمل دارانِ فرخ آباد کا ذکر ہے، اس میں ہندو اور راٹھور عمل داروں کے علاوہ قنوّج کے راجاؤں، نوابوں اور برطانوی عہد کے کلکٹروں کے حالات اور ان کے عہد کی تاریخ ہے، تیسرے باب میں فرخ آباد کے قصبات ومواضعات اور پرگنوں کی تاریخ ہے، اس میں ان کی آبادیاں، رقبے، نام اور ان کی وجہ تسمیہ وغیرہ کی تفصیلات اور ان کے نقشے درج ہیں۔ چوتھے اور آخری باب میں فرخ آباد کے مختلف محکموں کا ذکر ہے، سرکاری انتظامات کی تفصیل اور کاشت کاری وغیرہ کے طریقے اور ان کے انتظامات کا بھی ذکر ہے، آخر میں فرخ آباد کے ان متفرق اور عجیب وغریب واقعات کا ذکر ہے جو عہدِ ماضی میں وقوع پذیر ہوئے۔

بڑی تقطیع پر ۲۰۸ صفحات کی یہ کتاب انیسویں صدی کے نصف اول کے آخر میں اردو میں لکھی جانے والی تاریخ کی اہم کتاب اس لیے قرار دی جا سکتی ہے کہ اس میں جس قدر تاریخی تفصیلات اور ایک ایک جزیے کا ذکر ہے وہ بے مثال ہے، تاریخ میں جن امور کی ضرورت واہمیت کا ذکر بیسویں صدی میں

---

[۱] فتح گڑھ نامہ تمہید ص ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محسوس ہوا وہ سب اس میں موجود ہیں مثلاً سیاسی، تہذیبی، تمدّنی تاریخ کے علاوہ جغرافیائی کوائف اور معاشرتی احوال بھی ہیں نیز فرخ آباد کے مواضعات قصبات اور پرگنہ جات، رہن سہن، گفتگو، زبان، لباس وغیرہ کا تفصیل سے ذکر ہے، ان کے نقشے بھی دیے گئے ہیں۔ مدارس اور اسکولوں کا بھی ذکر ہے، غرض تاریخ کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس میں موجود نہ ہو۔

اس کے معتبر و مستند ہونے میں اس لیے شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا مصنف اسی ضلع کا کلکٹر تھا اور اس نے اپنے اثر و رسوخ سے سارے مآخذ و دستاویزات کا بچشم خود مطالعہ و مشاہدہ کرکے یہ مفصل کتاب لکھی، اس کا اسلوب تحریر تاریخی نثر جیسا ہے، ایک اقتباس جس میں دریائے رام گنگا کا ذکر ہے ملاحظہ ہو:-

"پرگنہ امرت پور میں ہوکر ملک شاہ اودھ میں نکلی ہے، اس دریا پر اکثر عبور کشتی سے ہے اور ایام برسات میں اس دریا کی طغیانی اس کثرت سے ہوتی ہے کہ زمین اکثر دریا برد ہو جاتی ہے اور اس کی ترائی میں زراعت خوب ہوتی ہے، اور آب پاشی کا بھی فائدہ ہے اور یہ دریا کوہستان سے ضلع بجنور، مرادآباد و بریلی و شاہجہاں پور میں بہتا ہوا آیا ہے، فقط اور اس ضلع میں اس دریا پر کشتیوں کا پل دو جگہ ہے ایک امباچور دوسرا بجنوریا مابین باقی سب گذر پر ایک ایک دو کشتی ہے اور دو گھاٹ کہ جس پر پل ہی میر بحری ہے"[1]

۱۱۔ زبدۃ التواریخ

یہ عالم علی کی تصنیف ہے، اسے انھوں نے ۱۲۷۰ھ/۵۴-۱۸۵۳ء میں مکمل کیا اور مطبع نجم السعادۃ محلہ حیدری باغ کلکتہ میں طبع ہوئی، اس میں بحر مادتیہ قدیم ہندو عہد سے لے کر ۱۸۵۰ء تک کی تاریخ مختصراً لکھی گئی ہے، تاریخ کے موضوع پر یہ ایک عمدہ کتاب ہے، اس کا مطبوعہ نسخہ دارالمصنفین (اعظم گڑھ) کے کتب خانہ میں موجود ہے، زبان و بیان اور اسلوبِ تحریر سادہ اور مورخانہ ہے، تاریخ نویسی میں

---

[1] فتح گڑھ نامہ ص ۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ کتاب بھی ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

۱۲۔ یادگارِ بہادری

یہ کتاب لالہ بہادر سنگھ کے قلم سے ہے، ۱۸۷۹ء میں لکھی گئی، اس میں بقول انور حسین اکبر پوری تمام دنیا کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے، ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئی[1]۔ اس کی مزید تفصیلات دستیاب نہ ہوسکیں۔

۱۸۵۷ء کا انقلاب اور تاریخ

۱۸۵۷ء میں ملک کی آزادی کی پہلی جدوجہد اس صدی کے ہندوستان کی تاریخ کا اہم ترین باب ہے جسے غدر کے نام سے موسوم کیا گیا، اس جدّوجہد آزادی کے متعلق اردو میں متعدّد کتابیں لکھی گئیں، مثلاً فضل حق خیرآبادی کی باغی ہندوستان اور پنڈت سندر لال کی کتاب سن ستاون وغیرہ اس سلسلہ کی اہم ترین کتاب سرسید احمد خاں کی اسباب بغاوت ہند ہے۔

اس انقلاب کے بڑے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ انگریزوں نے ملک پر مکمل اقتدار حاصل کرنے کے بعد یہ سبق پڑھانا شروع کیا کہ ہم ہی حکمرانی کے لائق ہیں اور اس سے پہلے جتنے حکمراں ہوئے ہیں وہ سب ظالم وجابر تھے۔ ان کے اس رویّے نے ہندوستانی مفکرین کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ انگریزوں کے لگائے ہوئے الزامات کی تردید میں قلم اٹھائیں، چنانچہ ۱۸۵۷ء کے بعد متعدّد ایسے مورخین پیدا ہوئے جنھوں نے انگریزوں کے لگائے ہوئے الزامات کی تردید کی اور اصل حقیقت لوگوں پر آشکارا کی۔ ان مصنفین میں علامہ شبلی کا نام سب سے زیادہ روشن ہے۔

منشی نول کشور اور ان کی تواریخِ نادر العصر

اسی صدی میں اودھ کے دارالسلطنت لکھنؤ میں منشی نول کشور نے اپنا

---

[1] اودھ کے تاریخ نگار ص ۲۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطبع قائم کیا جس نے اپنی بے مثال مذہبی و علمی مطبوعات کے ذریعہ شہرتِ دوام حاصل کی تاریخ کے موضوع پر بھی اس نے متعدد (نصابی و غیر نصابی) اہم کتابیں شائع کیں، خود منشی نول کشور نے تواریخِ نادر العصر لکھی جو ۱۸۶۳ء میں شائع ہوئی، اس میں تفصیل سے لکھنؤ کے نوابوں کے عہد کی تاریخ بیان کی گئی ہے شاہانِ اودھ کی سیاسی تاریخ کے ساتھ ان کی تہذیبی و تمدّنی تاریخ بھی اس میں آگئی ہے، آخر میں باشندگانِ لکھنؤ کا تذکرہ ہے، اودھ کی تاریخ کے سلسلہ میں یہ ایک اہم دستاویز ہے پہلی اشاعت کے بعد یہ کتاب کمیاب تھی، جناب عابد رضا بیدار صاحب نے خدا بخش اورنٹیل پبلک لائبریری پٹنہ سے ۱۹۹۰ء میں اسے دوبارہ شائع کر کے تاریخ کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے۔

۱۳۔ تاریخ سوانحات سلاطین اودھ

تاریخ کی یہ اہم کتاب سید کمال الدین حیدر کا بڑا کارنامہ ہے، یہ پہلی بار ۱۸۷۹ء میں مطبع نول کشور سے مہاراجہ سردگیجے سنگھ کے اہتمام سے دو جلدوں میں شائع ہوئی، دوسرے ایڈیشن میں دوسری جلد قیصر التواریخ کے نام سے شائع ہوئی، اس کتاب میں شاہانِ اودھ کی مفصّل سیاسی و تمدّنی تاریخ قلم بند کی گئی ہے، اپنے موضوع پر یہ پہلی اور بہترین کتاب تسلیم کی جاتی ہے گرامی قدر ڈاکٹر اشفاق احمد اعظمی نے درست لکھا ہے کہ اودھ کی تاریخ لکھتے وقت کوئی مورّخ اس کاوش کو نظر انداز نہیں کر سکتا[1]

تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے بھی یہ کتاب اہم ہے، مہاراجہ سردگیجے سنگھ نے اس کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے[2]۔ خود سید کمال الدین حیدر نے لکھا ہے کہ:۔

"....چنانچہ عنوانِ کتاب موافق دستورِ انگریزی کیا ہے کسی کی خوشامد یا

---

[1] تواریخ (ریسلاس) ص ۵۹

[2] تقریظ از مہاراجہ سردگیجے سنگھ بہادر سوانحات اودھ جلد اول ص ۲ - ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعریف زائد نہیں جیسا بعض مورخینِ زمانہ کرتے ہیں محض حقیقتِ حال مثل اخبار اپنی رسائی تحقیق سے لکھا ہے۔[۱]

سید کمال الدین حیدر کا اسلوبِ نگارش علمی وادبی ہے البتہ بعض مقامات پر قدیم اردو کے اثرات محسوس ہوتے ہیں۔

مجموعی طور سے یہ کتاب اودھ کی بہترین اور سب سے زیادہ معیاری تاریخ ہے۔

انیسویں صدی کے نصفِ اول کی ان انفرادی کوششوں نے تاریخ نگاری کے رجحان اور معیار کو بلند تر کرنے کی جہت میں بڑی خدمت انجام دی اور تاریخ نگاری کو بلند مقام تک پہونچانے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔

خلاصۂ بحث

اس جائزہ سے یہ خلاصۂ بحث سامنے آتا ہے کہ اردو تاریخ نویسی کی ابتدا اٹھارویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں ہوئی اور عہدِ سرسید تک طبع زاد کتابوں کے مقابلہ میں ترجمے زیادہ کیے گئے۔ گو سیکڑوں کتابیں لکھی اور ترجمہ کی گئیں مگر ان میں فنّی اور اصولی عناصر پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی لیکن زبان و بیان کے لحاظ سے یہ ابتدائی تاریخی سرمایہ اپنی سادہ نثر کے لیے ممتاز ہے، جزئیات نگاری اور ربط و تسلسل بھی موجود ہے اور یہ شاید اس دور میں داستانوں کے فروغ اور چلن کے زیرِ اثر ممکن ہوا۔ البتہ معیارِ تحقیق و تدقیق فطری طور پر اتنا بلند پایہ نہیں جو بعد کی تاریخوں میں نظر آتا ہے۔

---

[۱] ایضاً ص ۱۶ طبع دوم ۱۸۹۶ء

عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا

ڈاکٹر رؤفہ اقبال صاحبہ نے اس تصنیف میں اسلام کے نظریہ جہاد پر اسلامی موقف کی بے لاگ ترجمانی کی ہے اور اس پر کیے جاتے والے اعتراضات کا مسکت اور مدلل جواب دیا ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ صفحات ۲۴۷ قیمت ۲۵ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھپور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

© rasailojaraid.com